غنی کاشمیری کی شاعری ایک مطالعہ

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

کشمیر کی سرزمین اپنی غیر معمولی تخلیقی زرخیزی کے لئے عالمگیر شہرت رکھتی ہے، زمانۂ قدیم سے لے کر عہد حاضر تک اہل کشمیر نے مختلف زبانوں میں سنسکرت، کشمیری، فارسی، اردو اور ہندی میں اپنے تخلیقی ذہن کا موثر اظہار کر کے اپنے کمال فن کا ثبوت دیا ہے، کشمیر میں فارسی شعر و ادب کی ایک طویل اور با اثر روایت موجود ہے، اور متعدد ایسے شعرا گذرے ہیں، جنھوں نے فارسی زبان کو اپنا وسیلۂ اظہار بنا کر فارسی ادب میں اپنا مقام بنایا ہے، اور اس مفروضے کی تکذیب کی ہے کہ شاعر اکتسابی زبان میں اپنے مافی الضمیر کو موثر پیرائے میں ادا نہیں کر سکتا، کشمیر کے فارسی شعراء میں غنی کاشمیری ایسے ہی باکمال شعراء میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں، انہوں نے کشمیر میں رہ کر فارسی زبان کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا، اور اس زبان پر ایسا حاکمانہ قابو حاصل کیا کہ اُن کی شہرت وادی کی حدود سے نکل کر ہندوستان اور ایران تک جا پہنچی، اورنگ زیب نے اُن کے

کمالات کا شہرہ سنکر اُن کو مغلیہ دربار میں آنے کی دعوت دی، لیکن
غنی کاشمیری نے یہ دعوت ٹھکرا دی، اور گوشہ نشینی پر ہی قانع رہے؛

کردہ زجہاں شغل سخن گوشہ گزینم
تا خامہ مسافر شدہ من خانہ نشینم

بعد میں اُن کی سخن وری کے چرچے ایران تک پھیلے، چنانچہ ایران کے ملک
الشعراء صائب نے اُن کی قدرت کلام کا اعتراف کیا، اور غنی کے شعر

موی میان تو شدہ کرالہ پن
کردہ جدا کاسۂ رہاز تن

میں "کرالہ پن" کے معنی پوچھنے کے لئے ایران سے کشمیر آئے، اور پھر
جب اُنہوں نے غنی کا یہ شعر

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

سنا، تو بے قرار ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش اسی ایک شعر کے بدلے غنی
اُن کا سارا دیوان لے لیتے!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غنی ایک پختہ کار شاعر ہیں، جیسا کہ
دیوان غنی سے مترشح ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ کشمیر کے دیگر بڑے
شعراء کی طرح غنی کاشمیری کے کلام کا ابھی تک کوئی سیر حاصل تجزیاتی مطالعہ
نہیں ہوا ہے تاکہ اُن کی صحیح قدر سنجی ہوتی، یوں تو انکی شاعری کے بارے
میں کئی تذکرہ نگاروں اور نقادوں نے اظہار خیال کیا ہے، ان میں

محمد افضل سرخوش، آزاد بلگرامی، شبلی نعمانی، اقبال، خورشید الاسلام، علی جواد زیدی، سید محمد رضا اور سعید نفسی وغیرہ شامل ہیں لیکن ان حضرات نے جو کچھ لکھا ہے، وہ یا تو توصیفی یا تنقیصی نوعیت کا ہے، اور دونوں رویے انتہا پسندی کے شکار ہیں، مثلاً:

" از خطۂ کشمیر بلکہ تمام اقلیم ہند بجواو سخنورے خوش خیال نازک بند معنی یاب برنخواستہ" (محمد افضل سرخوش)

غنی کا دیوان جذبہ کی موسیقی سے خالی ہے، محض الفاظ کا دروبست ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ وہ رسمی مضامین اور تجربوں میں صنائع سے جان ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن میں ذاتی طور پر اضافہ نہیں کرتے۔"

(خورشید الاسلام)

ظاہر ہے مذکورہ بالا دونوں اقتباسات محض تاثراتی نوعیت کے ہیں، اور معقولیت توازن اور استدلال سے عاری ہیں، اس لئے شاعر کے تخلیقی ذہن کی تحسین شناسی میں کوئی مدد نہیں کرتے۔

غنی کاشمیری فارسی غزل کی شعری روایات سے کما حقہ، واقف ہیں، انہوں نے کئی موضوعات مثلاً حسن و عشق، بے ثباتی دنیا، مرگ کوشی، داخلیت پسندی اور غم پسندی کو رسمی طور پر برتنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح فنی برتاؤ میں مروجہ روایات مثلاً صنائع بدائع کا پورا التزام کیا ہے، فنی برتاؤ کے حوالے سے اُنہوں نے اس عہد کی مروجہ روایت یعنی تمثیل نگاری کو اپنے فن کا ایک جزو غالب بنایا ہے، تمثیل نگاری کا

رُو سے شعر میں دعوی و دلیل کے عنصر کا التزام کیا جاتا ہے، شاعر ایک مصرعے میں زندگی کے کسی تجربے کو ایک دعویٰ کے طور پر پیش کرتا ہے، اور دوسرے مصرعے میں اس دعویٰ کی تائید میں ایک دلیل یا جواز پیش کرتا ہے، تمثیل نگاری غنی کے عہد میں روایت کا درجہ رکھتی تھی، چنانچہ اُن کے علاوہ یہ رجحان کلیم اور صائب کے یہاں بھی نمایاں ہے، اور بعد میں بیدل اور غالب بھی اس کے دام میں آئے

سوال یہ ہے کہ تمثیل نگاری، جسے ایک فنی طریق یا "ادبی رجحان" سے موسوم کیا جا سکتا ہے، کا کیا جواز اور معنویت ہے؟ یعنی یہ کہاں تک شعری تجربے کی لسانی تشکیل میں ممد ثابت ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر خورشید الاسلام نے تمثیل نگاری کے رجحان کو فارسی شاعری کے دورِ زوال کی علامت قرار دیا ہے، اُن کے نزدیک، ایسے شعراء "بعض رسمی سچائیوں پر قانع ہو کر تمثیل سے کام لیتے ہیں"

تنقیدی نقطۂ نظر سے دعوی و دلیل والا اس نوع کا طریقۂ کار مصنوعی اور عاید کردہ ہے، یہ شعر میں استدلالیت کے عنصر کو دخیل کر کے شعری عمل کے اِستناد کو مشتبہ کرتا ہے، شاعر جب بھی کسی تخیلی صورت حال کی تخلیق کرتا ہے، جو فن کا جمالیاتی مقصد ہے، تو فی نفسہٖ اپنے ہونے کا جواز فراہم کرتا ہے اور اپنی لسانی صورت گری سے قاری کے سارے شبہات کا ازالہ کرتا ہے، شاعر کے لئے ضرورت نہیں رہتی کہ وہ اپنے دعوے کے لئے کسی خارجی دلیل یا واقعہ کو پیش کرے، اگر وہ ایسا

کرے تو استدلالیت اور خارجیت کو شعر کی خود مختار کائنات میں ذیل کرنے کی شعوری سعی کرتا ہے، جس سے تخلیق کی سالمیت اور اس کے وجود کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے،

دوسری بات یہ ہے کہ تمثیل نگاری کے تحت اگر ایک مصرعے میں دعوے کے لئے دی جانے والی دلیل، جو دراصل شعری تجربہ ہے، فنی قالب میں ڈھل جائے، تو آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق وہ اپنے وجود کا اثبات کرتی ہے، اور خود مکتفی ہو جاتی ہے، اس صورت میں دعوے پر مبنی مصرعہ یا تو دوسرے مصرعے میں بیان کردہ تجربے کا منظوم بیان ہو کے رہ جاتا ہے، یا تجربے کی تحدید کا غیر پسندیدہ کام کرتا ہے یا یکسر لا ہو کے رہ جاتا ہے، بھلا بتائیے غالب کے اس شعر

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا

میں مصرع ثانی میں مشکل ہوتے ہوئے شعری تجربے کے لئے مصرع اول کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

غنی کاشمیری کے یہاں بھی یہ شعری طریق کار اپنی بے ثمری کا احساس دلاتا ہے، یہ صحیح ہے کہ اس طریق کو برتتے ہوئے نہ صرف ان کی غیر معمولی قادر الکلامی بلکہ زندگی اور فطرت کے بارے میں ان کے گہرے مشاہدے کا بھی اندازہ ہوتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ فنی برتاؤ کے اس رسمی انداز سے حسب منشا اکتساب کرنے کے بجائے انہوں نے اسے اپنی شخصیت

پر پوری اترے غالب آنے دیا ہے ؎

دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

اس کا منفی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تخلیقی عمل، جو مکمل ذہنی آزادی کا طالب ہوتا ہے، ان کے لئے مشروط ہو کر رہ گیا، یہ صحیح ہے کہ اُن کی شخصیت میں پھیلاؤ اور تہہ داری ہے انہوں نے اپنے عہد کے کشمیر کے ظاہر و باطن کو دیکھا ہے، ان کی نظر پورے ملک کے بدلتے حالات پر تھی، انھیں معلوم تھا کہ اُن کی افلاس زدہ زندگی کے مقابلے میں شعرائے عصر جاگیرداروں اور بادشاہوں کی قصیدہ خوانی کر کے عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے زندگی اور معاشرے کے تضادات سے وہ واقف تھے، علاوہ ازیں، غم، موت، زوال اجتماعی خستہ حالی اور انسانی رشتوں کی نزاکتوں کا انھیں علم تھا، انہوں نے اپنے دامن دل کو گوناگوں تجربوں سے بھر دیا تھا، ساتھ ہی انہوں نے فارسی زبان میں غیر معمولی دسترس حاصل کی تھی، ان ہتھیاروں سے لیس ہو کر اُن کے لئے شعری کائنات کو مسخر کرنا مشکل نہ تھا، لیکن روایت پرستی نے اُن کی جہد و کاوش کو لاحاصلی سے ہمکنار کیا، شعر میں غیر ضروری استدلالیت، رسمیات، اخلاقیات اور منطقیت کے چکر میں پڑ کر وہ شعری تجربے کو "بالیدن مضمون عالی" میں منتقل نہ کر سکے، اور تجربہ مجرد ہو کر رہ گیا۔

تاہم اُن کے دیوان میں متعدد اشعار ایسے موجود ہیں، جن میں انکے رود نفس کی حرارت سے غیر شعری عناصر مثلاً استدلالیت پگھل کر خارج ہو چکی ہے اور داخلی تجربے کا کھرا پن سامنے آتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ

ایسے اشعار کا ایک انتخاب مدون کیا جائے تاکہ غنی کاشمیری کی شناخت ممکن ہو سکے ،

اُن کے کلام سے اُن کے تنقیدی ذہن کا پتہ لگایا جا سکتا ہے، اُنہوں نے خود بھی محسوس کر لیا ہے کہ اُن کے عہد میں ابتذال گوئی کا چلن ہے ، وہ خود اپنے طرح سخن کو ایجاد کرنے کے آرزومند ہیں

ازبسکہ شعر گفتن ، شد مبتذل دریں عہد
لب بستن است اکنوں مضمون تازہ بستن
غنی طرح سخن خود کن اگر میل سخن داری
چرا باید تصرف در زمیں دیگراں داری

اُن کے نزدیک شعر کو اعجاز ہونا چاہئے ، اگر بقول اُن کے شعر اعجاز ہوگا تو بلند و پست سے خالی نہ ہوگا :

شعر اگر اعجاز باشد بی بلند و پست نیست
در ید بیضا ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

غنی صنف غزل کے شاعر ہیں، غزل کی خصوصیت دروں بینی ہے ، وہ خود دروں بیں ہیں اور شخصی تفکر کو شعر کے لئے لازمہ قرار دیتے ہیں :

از فکر تا سخن نہ شود قابل رقم
مانند خامہ سر ز گریباں نمی کشم

اُن کا خیال ہے "ابلہ ہر آن" کا کلام سخن سادہ" نظر آتا ہے ، لیکن یہ "بے تہہ" نہیں ہے

مے نماید سخنم سادہ، دلے بے تہہ نیست
از تہہ چشمۂ آئینہ کسے آگاہ نیست

غنی کاشمیری کے یہاں چند بنیادی ذہنی رجحانات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے، ان کے محرکات کچھ بھی ہوں، نفسیاتی، معاشرتی یا متصوفانہ، یہ حقیقت ہے کہ ان ہی سے انکی افتادِ طبع اور تخلیقی شخصیت کی شناخت ہوسکتی ہے، ان میں ذات شناسی، غم پسندی اور خلوت گزینی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کے متعدد اشعار میں ان موضوعات کا محض رسمی ذکر ہو، لیکن اُن کے کلام میں ایسے اشعار بھی ہیں، جہاں یہ رجحانات اُن کی شعری شخصیت کو تمام وکمال انگیخت کرکے اسکی لسانی تجسیم کرتے ہیں

روزِ خوش در زندگی ہرگز نصیب ما نشد
عمر در ماتم بسر بردیم چون شمع مزار

دوسرا بنیادی رجحان جمالیاتی ہے، غنی جنت کشمیر کے زائیدہ و پروردہ ہیں، اور کشمیر کی بے مثال خوبصورتی ان کی شخصیت میں رچی بسی ہے، وہ حسن پرست ہیں۔ اور حسن کے جلوے انہیں مناظر فطرت کے علاوہ محبوب کے پیکر جمیل میں نظر آتے ہیں، اور ان کے حسیات اور جذبات کے رنگ بکھرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گلہائے مضمون سے ان کی زمین شعر گلشن بن گئی ہے ؏

شد زمین شعرم از گلہائے مضمون گلشنی

چند اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں ان کا احساس جمال جلوہ گر ہے

عزم گلشن سے گر کنے تا رفتہ در صحن چمن
سر بر آرد مہر دیدار تو از دیوار گل

× × × × ×

تا بہ صحرا ہر طرف روشن چراغ لالہ شد
گرد باد از پرتو آن شعلہ جوالہ شد

× × × × ×

حیرتِ حسنت عنان ہوش از دستم ربود
شعلۂ تصویر شد بے تابئ دل در برم

× × × × × ×

مژہ ام بر مژہ از جوشش حلاوت چسپید
دیدم از بسکہ بخواب آن لب شیرین امشب

× × × × × ×

ز بیم ہجر و امید وصال سے آن محبوب
گداخت خامہ و بالید در کفم مکتوب

غنی کاشمیری کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے، جو ان کے داخلی وجود کے تب و تاب کے مظہر ہیں، ایسے اشعار میں ان کی حسیاتی قوتیں ان کی منطقی فکر پر غالب آکر ایک مکمل تخیلی تجربے کو راہ دیتی ہیں، اور قاری ان کی تخلیقت کا

کا قائل ہوتا ہے مثلاً ؎

بہ روز ہجر کے سیر گلستانم ہوس باشد
کہ گلبن بی گل روی تو در چشم قفس باشد

* * * * * *

نے چشم مست او بہ شکر خواب رفتہ است
بخت سیاہ ماست کہ در خواب رفتہ است

* * * * * *

تا کار تو بیداری شب ہای دراز است
چسمت در فیضے است کہ بر روئے تو باز است

آئے آخر میں غنیؔ کے درج ذیل دو اشعار کا لسانی تجزیہ کر کے ان کے شعری تجربات کے امکانات کا جائزہ لیں ؎

در فقر ہیچ کس نبود آشنائے ما
نہ نشست غیر گرد کسے در سرائے ما

* * *

؎ بیا ساقی شبستان مرا امشب منور کن
ز روزن تا در آید آفتابم مے بساغر کن

* * * *

شعر ۱ میں تنہائی اور اجنبیت کے تجربے "کی گرد" "در سرائے" کے حسی پیکروں سے تجسیم کی گئی ہے اس میں پہلے مصرعے میں کیا

ہوادعویٰ یعنی فقر میں ہمارا کوئی آشنا نہیں۔ تجربے، جس کا علامتی اظہار شعر کے دوسرے مصرعے میں کیا گیا ہے، کی تکرار کے بجائے اسکی توسیع کرتا ہے ایک ویران سرا سامنے آتی ہے۔ جو گرد سے اٹی ہوا ہے اور سوائے گرد کے وہاں کوئی نہیں اس میں شعری کردار فقیری اور ناآشنائی کا دکھ جھیل رہا ہے۔

شعر ۲ میں ایک تخیلی صورت حال ابھرتی ہے۔ جو شعری کردار، ساقی شبستان، روزن، آفتاب اور مے و ساغر کے تلازمی پیکروں سے ڈرامائی ہو جاتی ہے شعری کردار ساقی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جب تک آفتاب روزن سے اندر آئے وہ ساغر میں شراب ڈال کر اسکے تاریک شبستان کو منور کرے، شعر میں لفظوں کا استعاراتی برتاؤ بھی ہے۔ ساغر میں شراب ڈالنا، روزن سے آفتاب کے وارد ہونے کے مترادف ہے، اور پھر آفتاب کے بجائے آفتابم" برتا گیا ہے۔ اس سے استعارہ در استعارہ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور آرزومندی کا جذبہ قوس قزحی رنگ بکھیرتا ہے۔ شعر میں کردار، مکالمہ، فضا، استعارہ کاری اور حسیاتی پیکر تراشی سے ایک دلنواز تخیلی تجربے پر محیط ہے۔